شاہ محمد جعفر پھلواروی

# کشف و کرامت

میں نے جس ماحول میں آنکھیں کھولیں وہ جاہلانہ تصوف کا ماحول نہ تھا۔ تصوف کے جس گہوارے میں نے پرورش پائی اسے جھلانے والا ہاتھ بڑے اونچے علم و عمل کا ہاتھ تھا۔ ہوش سنبھالتے ہی علم اور تصوف کو متوازی خطوط پر رواں دواں دیکھا۔ کبھی خالص علمی مذاکرے تصوف و فقر پر غالب نظر آئے اور کبھی فقر و تصوف کے چرچوں سے علمی ماحول دبا ہوا دکھائی دیا۔ ایسے مکالمے بھی سنے جن سے یہ غلط فہمی ہوتی کہ علم اور فقیری میں گویا تناقض ہے اور یہ بھی محسوس ہوا کہ یہ تمام علمی تگ و دو اس غرض سے ہے کہ تصوف اور اہل تصوف کی ہر بات کی تائید کے لئے مستحکم سند تلاش کی جائے۔

بچوں کو فطرۃً قصوں کہانیوں سے بڑی دلچسپی ہوتی ہے انہیں ممکن ناممکن سے کوئی بحث نہیں ہوتی عقل اور بے عقلی کو پرکھنے سے کوئی مطلب نہیں ہوتا بلکہ جتنی زیادہ ناممکن اور بے عقلی کی بات ہو اتنی زیادہ دلچسپی سے سنتے ہیں۔ شرط یہ ہے کہ دلچسپ قصے کہانیاں ہوں۔ اگر آپ ان سے یہ بیان کریں کہ حضرت عمرؓ کی زندگی کا یہ نقشہ تھا یا حضرت عائشہ نے یہ قرآنی نکتہ بیان کیا تو ظاہر ہے کہ انہیں کوئی دلچسپی نہ ہوگی لیکن ان کی دلچسپی کی اس وقت انتہا نہیں رہتی جب آپ بیان کریں کہ ..... ایک پری اڑتی ہوئی آئی اور اپنے کان کے سوراخ سے ایک ڈبیہ نکالی اور اس ڈبیا کو کھولا تو اندر سے ساٹھ گز کا ایک دیو نکلا..... دیو نے اپنی ٹوپی میں سے ایک بالشت کا ایک ہاتھی نکالا اور وہ ہاتھی ستار بجانے لگا..... پھر ہاتھی نے زور سے ایک سانس باہر نکالی، تو ایک بٹوا گرا اور ایک ٹوپی بھی گری ..... بٹوے میں یہ صفت تھی کہ اس میں سے پیسے کبھی ختم ہی نہیں ہوتے تھے۔ اور ٹوپی میں یہ کمال تھا کہ جو اسے پہن لے وہ غائب ہو جائے ..... وغیرہ وغیرہ

اس قسم کے قصے کہانی پڑھنے سے یہ فائدہ تو ہوتا ہے کہ بچوں کو کچھ پڑھنا لکھنا آجاتا ہے۔ لیکن اس سے ایک نقصان بھی ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ بعض اوقات یہ نقوش ان کے دل و دماغ پر اس طرح چھا جاتے ہیں کہ بڑے ہونے کے بعد بھی وہ انہی توقعات و توہمات میں کھوئے رہتے ہیں، وہ بے کاری میں سوچتے

پاکستان میں اعشاری سکے

# نئے اعشاری نظام میں

# صِفر

# کا مقام

## بے قیمت
## یا
## بیش قیمت

| آنے | پائی | ۳ | ۶ | ۹ |
|---|---|---|---|---|
| ۰ | ... | ۲ | ۳ | ۵ |
| ۱ | ۶ | ۸ | ۹ | ۱۱ |
| ۲ | ۱۲ | ۱۴ | ۱۶ | ۱۷ |
| ۳ | ۱۹ | ۲۰ | ۲۲ | ۲۳ |
| ۴ | ۲۵ | ۲۷ | ۲۸ | ۳۰ |
| ۵ | ۳۱ | ۳۳ | ۳۴ | ۳۶ |
| ۶ | ۳۷ | ۳۹ | ۴۱ | ۴۲ |
| ۷ | ۴۴ | ۴۵ | ۴۷ | ۴۸ |
| ۸ | ۵۰ | ۵۲ | ۵۳ | ۵۵ |
| ۹ | ۵۶ | ۵۸ | ۵۹ | ۶۱ |
| ۱۰ | ۶۲ | ۶۴ | ۶۶ | ۶۷ |
| ۱۱ | ۶۹ | ۷۰ | ۷۲ | ۷۳ |
| ۱۲ | ۷۵ | ۷۷ | ۷۸ | ۸۰ |
| ۱۳ | ۸۱ | ۸۳ | ۸۴ | ۸۶ |
| ۱۴ | ۸۷ | ۸۹ | ۹۱ | ۹۲ |
| ۱۵ | ۹۴ | ۹۵ | ۹۷ | ۹۸ |
| ۱۶ | ۱۰۰ | ... | ... | ... |

مثال:- ایک آنہ تین پائی = آٹھ نئے پیسے

یکم جنوری ۱۹۶۱ء کے بعد سے پاکستانی کرنسی کی دونوں اکائیوں (روپے اور پیسے) کو اعشاریہ کے دو درجوں تک لکھا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک روپیہ چار پیسوں کو ۱٫۰۴ لکھنا چاہیئے۔ نہ کہ ۱٫۴۔ اسی طرح ۲۵ روپے اور ۵۰ پیسوں کو ۲۵٫۵ نہیں بلکہ ۲۵٫۵۰ لکھنا درست ہے۔ آپ بھی اس کا خیال رکھیں۔

**تبادلہ کا حسابی نقشہ:-** اس نقشے کو روزمرہ استعمال کے لئے کاٹ لیجئے

## رقم میں صِفر احتیاط سے لگایئے

جاری کردہ: وزارت مالیات حکومت پاکستان

بکثرت ہوتے ہیں - میں بھی ہوش سنبھالنے کے بعد اس طرح کے واقعات بہت سنتا - اور ان کو اسی دلچسپی سے سنتا جس دلچسپی سے جن بھوت اور جادو کے قصے سنتا تھا - اقدار تصوف سے آغاز عمر میں دلچسپی نہیں ہوتی، مگر کرامات و تصرفات کے قصوں سے خواہ مخواہ دلچسپی ہوتی ہے ، اس کا ایک اثر تو یہ ہوا کہ میں سمجھنے لگا کہ بزرگ وہی ہوتا ہے جس سے خرقِ عادات ، کرامات اور تصرفات ظاہر ہوں اور تصوف کا بس یہی اثر ہوتا ہے - میں نے یہ بھی بارہا سنا کہ ہر دور میں ہر جگہ بزرگ لوگ ہوا کرتے ہیں اس کے نتیجے میں میرے اندر بھی ایسے عجیب لوگوں سے ملنے کی آرزو اور پھر جستجو پیدا ہوئی - تیس اکتیس سال کی عمر تک تو مجھے کوئی آدمی ایسا نہ ملا جو صاحب تصرف ہو - لیکن اس کے بعد چھ سات بزرگ (جن میں ایک عورت بھی ہے اور ایک نوجوان لڑکا بھی ہے ) مجھے ایسے ملے جن کے کشف و کرامت اور تصرف نے میری عقل و منطق کو حیرت میں ڈال دیا اور اس کا ایک بڑا گہرا نقش دل پر یہ بیٹھ گیا کہ بس جو کچھ روحانیت ہے انہی "خدا رسیدہ" "صاحب کرامت فقیروں درویشوں کے پاس ہے - آپ خود سوچئے کہ ایک شخص میرے سامنے آتا ہے جو مجھ سے نہ پیسے کا لالچ رکھتا ہے نہ مجھ سے کسی احترام کا خواہشمند ہے ، اس کا کردار مجھ سے بلند ہے اور وہ بغیر اس کے کہ میں کچھ کہوں از خود مجھ سے میرا دیکھا ہوا خواب بیان کرتا ہے ، میرے غلط ارادوں کو ظاہر کرکے ان کی اصلاح کرتا ہے - میرے مخفی کردار کی مدح یا ذم کرتا ہے - ٹھیک کسی شدید مصیبت و فکر یا خطرے کے وقت خود بخود آکر اپنی تدبیر یا رائے سے اسے ٹال دیتا ہے - ڈاکٹر جسم کے اندرونی حصے کے زخم میں اپریشن کی رائے دیتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ خدا اسے بغیر اپریشن کے اچھا کرے گا وہ کالی مرچیں کچھ پڑھ کر کھلاتا ہے اور زخم ٹھیک ہو کر ڈاکٹر کو حیرت میں ڈال دیتا ہے - سات میل سے پیدل چل کر میرے پاس آتا ہے ، اور سیلاب کی خبر دیتا ہے اور یہ بھی کہتا ہے کہ تمہارے مکان میں پانی داخل نہیں ہوگا - میرے گھر کے اندر کی بعض ایسی رکھی ہوئی چیزوں کی اطلاع دیتا ہے جس کی خبر مجھے خود بھی نہیں - مریض کو دیکھے بغیر ڈاکٹروں کے فیصلے کے بالکل خلاف رائے دیتا ہے اور وہی ٹھیک ثابت ہوتی ہے - گزرے ہوئے اور پیش آنے والے حوادث کی ٹھیک ٹھیک خبر دیتا ہے - خطراتِ قلب آئینے کی طرح اس کے سامنے ہوتے ہیں - پھر لطف یہ کہ خلاف شریعت یا خلاف انسانیت کسی بات کی ہدایت نہیں کرتا - بلکہ اس کی تائید و تاکید کرتا ہے - ایسے پچاسوں ذاتی تجربے ہوئے ہیں جن کی تفصیلات سے ایک کتاب تیار ہو سکتی ہے

فرمائیے - ان تجربات کے بعد میرے دل و دماغ پر کیا اثر ہونا چاہیے تھا ؛ یہی کہ ظاہر ہے ایک

ہیں کہ کاش کوئی جن ہمیں بھی ایک طلسمی بٹوا یا جادو کی ٹوپی دے جاتا۔
مسلمانوں کے ساتھ ایک مصیبت یہ بھی لگی ہوئی ہے کہ "آمَنْتُ بِاللّٰہِ وَ مَلَائِکَتِہٖ" کی طرح جنوں پر ایمان لانا بھی ضروری ہے اور جن بدقسمتی سے وہی چیز ہے جس کے قدرت و اختیار کے متعلق عجیب عجیب افسانے مشہور ہو گئے ہیں۔ بچے بڑے ہو کر ان قصوں کہانیوں کو بے معنی تو ضرور سمجھتے ہیں، لیکن جنوں سے ان کی آس ہمیشہ لگی رہتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اس کسب و محنت سے بھی محروم ہو جاتے ہیں جو جنوں کی عنایت کے بغیر وہ کر سکتے ہیں۔ نیز یہ بھی ہوتا ہے کہ بڑے ہونے کے بعد جنوں کا ہراس دخوف اتنا طاری رہتا ہے کہ تنہا اندھیری رات میں گزرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اور گڑا ہوا ستون بھی متحرک جن نظر آنے لگتا ہے۔ اگر جنی و ہمیات سے کچھ بلند ہوئے تو مؤکلوں کو قبضے میں لانے یا ہمزاد کو قابو میں کرنے کی فکر شروع ہو جاتی ہے۔ دست غیب کے عمل کی تلاش ہونے لگتی ہے۔ ذرا اس سے بھی اونچے گئے تو کیمیاگری کا شوق چراتا ہے۔ غرض مُزدِ بے محنت کا جو جذبہ تحت الشعور کام کرتا رہتا ہے وہ بے شمار عبث محنتوں میں پھنسا دیتا ہے اور حاصل پھر بھی کچھ نہیں ہوتا۔ صرف یہ ہوتا ہے کہ کارآمد محنت کی بجائے بیکار محنت میں عمر کا قیمتی حصہ صرف ہو جاتا ہے یہ سب نتیجے ہوتے ہیں ان لایعنی کہانیوں کے جو بچپنے سے کانوں میں ڈالی جاتی ہیں۔

یہاں تک پھر بھی صبر کیا جا سکتا ہے کیونکہ تجربہ اور عقل حقیقت کو سمجھنے میں مدد دے سکتے ہیں لیکن ناقابل علاج مرض تو وہ ہوتا ہے جو اندھی عقیدت سے پیدا ہوتا ہے۔ عقیدت بھی کون سی؟ اگر بلند کردار کی عقیدت ہو تو عقیدت مند اپنے اندر بھی اعلیٰ کردار پیدا کرے لیکن یہاں تو وہ عقیدت مندی ہوتی ہے جو "کرامات" سے پیدا ہوتی ہے اور کرامات بھی کون سی؟ اس کے بھی کچھ نمونے سن لیجئے۔ فلاں بزرگ بارہ سال تک کنوئیں میں الٹے لٹکے رہے...... فلاں بزرگ نے بارہ سال کی ڈوبی ہوئی کشتی کو نکال دیا اور تمام کشتی سوار زندہ ہی نکل آئے... فلاں بزرگ نے مٹی کے ڈھیلے پر پھونک دیا تو وہ سونا بن گیا..... فلاں بزرگ نے جائے نماز کا کونہ الٹا تو اس کے نیچے سے پانچ ہزار کا نوٹ نکل آیا ..... فلاں صاحب نے دل کی بات بتا دی... فلاں صاحب نے توجہ دے کر بیہوش کر دیا" ... وغیرہ وغیرہ۔

اس قسم کے کشف و کرامات اور تصرفات کے ذکر سے ہمارا لٹریچر بھرا ہوا ہے اور روحانی مرکزوں (خانقاہوں، آستانوں تکیوں اور گدیوں) حتیٰ کہ دینی مدرسوں میں بھی اس کے چرچے ہوتے رہتے ہیں اور

ہے۔ لیکن عام طور پر آج بھی آپ دیکھ لیجئے کہ اب ان روحانی مرکزوں سے بلند انسان پیدا نہیں ہوتے

تین سو سال سے ہیں ہند کے میخانے بند

ان کی خوابیدہ صلاحیتیں تو کیا بیدار ہوں گی، جو صلاحیتیں وہ لئے ہوئے آتے ہیں وہ بھی ختم ہو جاتی ہیں ذکر و فکر اور کشف و کرامت کی دلفریب چمریوں سے انہیں اگر ذبح نہ کیا جا سکے تو خصی ضرور کر دیا جاتا ہے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے ان لوگوں کو دیکھا ہے جو بڑے افسر تھے اور بے نام و نشان ہو گئے۔ بڑے صاحب دولت تھے اور برباد ہو گئے۔ اچھے ڈاکٹر تھے اور پاگل ہو گئے۔ عالم تھے اور قوتِ عقل و خرد کھو کر جامد پتھر بن گئے۔ یہاں تک بھی ہوتا تو غنیمت تھا۔ مگر یہاں کی ماڈفیت کا یہ حال ہے کہ وہ اپنی اسی گراوٹ اور تباہی کو ہی اپنی روحانی ترقی کا کمال سمجھنے لگتے ہیں۔ ذہنی دق کا یہ وہ آخری درجہ ہے جس کا علاج کسی طبیب کے بس سے باہر ہوتا ہے۔

اب ان روحانی اداروں سے کوئی بڑا فلسفی، کوئی اعلیٰ مصنف، کوئی بہتر سائنٹسٹ، کوئی اونچے کردار کا حامل، کوئی انجینئر، کوئی پروفیسر، کوئی محقق، کوئی انقلاب انگیز شاعر وغیرہ نہیں پیدا ہوتا۔ ہمارے دینی مدارس سے "دو رکعت کے امام" پیدا ہوتے ہیں اور خانقاہوں سے تعویذ گنڈے کرنے والے، بزرگوں کی کرامات سنانے والے۔ بزرگوں کی اصل کرامات یعنی بلند کردار اور "انسان گری" سے انہیں شاید ہی کوئی دلچسپی ہوتی ہے اکبر الہ آبادی نے کہا تھا کہ ؎

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

بات پتے کی ہے فی الواقع انگریزوں نے اسلامی اذہان کو قتل کرنے ہی کے لئے اسکول اور کالج بنائے تھے۔ لیکن یہاں کے تعلیم یافتہ کچھ نہ کچھ تو کام کے نکلے۔ وہ دنیا میں کچھ نہ کچھ بن سکے۔ اقبال نے کچھ زیادہ سچی بات کہی ہے کہ ؎

گلا تو گھونٹ دیا اہل مدرسہ نے ترا کہاں سے آئے صدا لا الہ الا اللہ،

یہ اہل مدرسہ وہی ہیں جو فقہ جامد کا درس دیتے ہیں یا کراماتی تصوف کا سبق پڑھاتے ہیں۔ ایسے متعدد مکاتیب فکر میں نے بھی دیکھے ہیں۔ یہاں کے افکار و اذکار کا غیر شعوری اثر میرے ذہن پر بھی یہی پڑا کہ ولایت کو پرکھنا ہے تو کشف و کرامات اور تصرف و خرق عادت سے پرکھو۔ یہ تصور انسانی ذہن کیلئے سم قاتل ہے (۲) کشف و کرامات یا تصرف و خرق عادت کے وجود ہی سے بعض لوگ انکار کرتے ہیں۔ جس کی وجہ زیادہ تر یہ ہے کہ انہیں اس قسم کا کوئی آدمی ملا نہیں۔ لیکن میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہے کہ اس کا

طرح کا گریز اور "باطن" کی ایک خاص جستجو۔ بلکہ یہ بھی ہوا کہ ظاہر پرستوں کی اہمیت نگاہوں میں کم سے کم ہوتی چلی گئی اور دماغ نے "اولیائی" کا ایک خاص تصور دے کر اولیاء اللہ سے عقیدت اور ان کی مزید جستجو کا جذبہ پیدا کر دیا۔ مجھے اس کا اقرار ہے کہ ان کے مشوروں سے مجھے خاصے اخلاقی و روحانی فائدے پہنچے لیکن جیسا کہ ہر معاملے میں خیر و شر ساتھ ساتھ چلتے ہیں، میرے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی معاملہ پیش آیا۔ ان فائدوں کے ساتھ ایک غیر محسوس زہر (SLOW POISON) اندر ہی اندر سرایت ہوتا رہا۔ یعنی میں اپنے دل و دماغ کو ان کے حوالے کرتا رہا۔ یہ حوالگی روز بروز اضافہ پذیر ہوتی رہی۔ میری اپنی قوتِ فکریہ بلکہ اپنی خودی بھی ختم ہوتی رہی۔ اور نتیجے میں ایک ذہنی غلامی پختہ ہونے لگی۔ یہی وہ مقام ہے جہاں سے انسانیت کا زوال شروع ہوتا ہے۔

مجھ پر بھی ایک لمبے عرصے تک یہ ذہنی غلامی طاری رہی، آخر بتوفیق الٰہی میں نے از سر نو ان مسائل پر غور کرنا شروع کیا۔ اس وقت تک جو بات سمجھ میں آئی ہے وہ یہ ہے:-

(۱) ولایت انعکاس نبوت ہے لہذا ولایت کا کام وہی ہونا چاہیئے جو نبوت کا ہے۔ پیغمبر کا اصلی کام معجزات دکھانا نہیں بلکہ لوگوں کو انسان بنانا ہے۔ پیغمبر انسانوں کو اپنا بندہ نہیں بناتا صرف خدا کا بندہ بناتا ہے وہ ذہنوں کو ماؤف نہیں کرتا بلکہ انسانی خودی کو بیدار کرتا ہے، اس کی مضمر صلاحیتوں کو بروئے کار لاتا ہے، اس کی قوتوں کو غلط سمت سے موڑ کر صحیح رُخ پر لگا دیتا ہے۔ اس میں ایسی عقلی استعداد پیدا کرتا ہے جس سے اس کی خوابیدہ صلاحیتیں بیدار ہو جائیں جو اپنے باپ کے اونٹ بھی ڈھنگ سے نہیں چرا سکتا تھا وہ اس کی تربیت سے اقوام عالم کی گلہ بانی کرتا اور فاروق اعظم بن جاتا ہے۔ جو اپنے ذاتی معاملات میں بھی قوتِ فیصلہ نہ رکھتا تھا وہ علی مرتضیٰ جیسا قاضی بنا جس سے بہتر قاضی دنیا پھر نہ پیدا کر سکی کوئی خالد سیف اللہ ہوا، کوئی محدث ابو ہریرہ۔ کوئی عائشہ فقیہہ بنی اور کوئی حسان نعت خواں۔ غرض جو بھی اس پارس سے مس ہوا وہ خود پارس بن گیا ہر ایک کی مضمر صلاحیتیں بیدار ہوئیں۔ نئی نئی استعدادیں ابھریں اور دنیا ان سے مستفید و منور ہوئی، رومی نے ٹھیک کہا ہے کہ ؎

در دل ہر کس کہ دانش را مزہ است ✤ روی و آوازِ پیمبر معجزہ است

ہم نے یہ بھی دیکھا کہ اولیاء اللہ نے بھی ایسی کرامتیں دکھائیں۔ عبیداللہ احرار نے 'جامی' شہاب الدین سہروردی نے سعدی، بختیار کاکی نے التمش، اور سلطان المشائخ نے خسرو پیدا کیا۔ پیدا نہیں کیا بلکہ یوں کہیئے کہ ان کی صلاحیتوں کو صحیح رخ پر لگا دیا۔ ایسی بہت سی نظیریں موجود ہیں، اور ہمارے نزدیک یہی اصل کرامت

(۵) صوفیہ کا فرمانا بالکل درست ہے کیونکہ اگر صاحب کرامت کسی کو توجہ دے کر بیہوش کر دیتا ہے تو وہ گویا کلوروفارم کا کام کرتا ہے۔ اور یہ کوئی انسانی کمال نہیں ہے، انسانی کمال بیہوشوں کو ہوش میں لانا ہے نہ کہ ہوش مندوں کو بیہوش کر دینا۔ اسی طرح انسانی کمال حیرانوں کو سکون بخشنا ہے نہ کہ خرق عادت دکھا کر صاحب سکون کی عقل کو حیران کر دینا۔

(۶) اگر غور سے دیکھئے تو کرامات سے نہ انسانیت کو کوئی فائدہ پہنچتا ہے اور نہ کوئی عقل کی بات ثابت ہوتی ہے۔ بس زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس نے ایک مشق اچھی کی ہے۔ یا ایک قوت حاصل کی ہے۔ اگر کوئی آگ پر چلنے لگے تو اس سے یہ کیسے ثابت ہو گیا کہ خدا ایک ہے یا رسول برحق ہے۔ یا قیامت ضرور آئے گی؟ اگر کسی کی زور دار نظر سے ایک اینٹ اوپر اٹھ کر معلق ہو گئی تو اس سے انسانیت کو کیا فائدہ پہنچا؟ کیا اس سے کسی کی کوئی بری عادت چھوٹ گئی یا کوئی اچھی عادت پیدا ہو گئی؟

(۷) اور فرض کیجئے اس قسم کی کرامتیں دیکھ کر کوئی شخص تائب ہو جاتا ہے تو یہ ایک ایسی توبہ ہے جس میں دباؤ یا اکراہ کا عنصر غالب ہے، اور یہ ایسا ہے جیسے کسی سے ڈنڈے کے زور سے روزہ رکھوا لینا۔ ایسے دباؤ کے متعلق قرآنی فیصلہ یہ ہے لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ۔ دین میں کوئی دباؤ یا جبر نہیں اسلام تو نام ہی ہے رضاکارانہ خوش دلی کے ساتھ گردن جھکا دینے کا۔ دباؤ یا تو منافقت پیدا کرے گا یا بغاوت۔ دباؤ کا نتیجہ اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ جب تک سر پر ڈنڈا ہے اس وقت تک معاملہ ٹھیک ہے اور جوں ہی وہ ہٹا اور پھر سرکشی شروع ہو گئی ہے۔ بلکہ عین اس دباؤ کی حالت میں بھی سرکشی اپنے لئے چور دروازے نکال لیتی ہے۔ نماز روزہ وغیرہ اسی لئے ہیں کہ انسان میں خوش دلانہ اور رضاکارانہ اطاعت خداوندی کا جذبہ پیدا ہو۔ خود قرآنی ارشاد ہے کہ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً۔ اگر خدا چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت بنا دیتا۔ مگر اس نے ایسا نہیں کیا تاکہ انسانی اختیار سلب نہ ہو جائے بلکہ جو شخص بھی اسلام اختیار کرے وہ اپنی سمجھ بوجھ اور عقل و بصیرت سے اختیار کرے۔ خدا نے دونوں راستے دکھا دیئے اور دونوں کے نتیجے بتا دیئے ہیں۔ اس کے بعد ہر شخص کو اختیار حاصل ہے فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ۔ اب ہلاکت کا فیصلہ بھی ہر بنائے بینہ (دلیل) ہوگا، اور حیات کا فیصلہ بھی ہر بنائے دلیل ہوگا لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ۔ دباؤ، جبر اور اکراہ کو ختم کرنا ہی تو قرآن کا وہ اہم فیصلہ ہے جو انسانیت کی آخری معراج ہے کرامات ایک دباؤ ہے۔ لہذا یہ اسلامی اقتدار کی فہرست میں نہیں آتی۔

وجود ہے اور قطعی طور پر ہے اور ہر دور میں خرقِ عادت وکشف والے لوگ پائے جاتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ خدا رسیدگی یا بزرگی سے اس کا رائی برابر بھی کوئی تعلق نہیں۔ بزرگی وکرامت صرف انسان بننا اور انسان بنانا ہے، جس میں یہ وصف ہو وہ بزرگ ہے۔ خواہ خرقِ عادت ہو یا نہ ہو۔

(۳) خرقِ عادت کی دو صورتیں ہیں، بعض لوگوں کو یہ محنت وکسب سے حاصل ہوتا ہے اور بعضوں کو بغیر کسی ریاضت کے وہبی طور پر حاصل ہوتا ہے۔ یہ محنت ومشق ایسی ہی ہے جیسے ہپناٹزم یا میجک کی مشق ہوتی ہے۔ خدا رسیدگی سے اس کا کوئی تعلق نہیں بلکہ ایسی مشقوں کے لئے اسلام کی بھی شرط نہیں۔ ہپناٹسٹ اور بازی گر وہ وہ کرتب دکھاتے ہیں جو بڑے بڑے اولیاء قسم کے لوگ بھی نہیں دکھا سکتے۔ صاحب کرامت صوفی دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جن سے بلا ارادہ نمائش خرقِ عادت ہوتا ہے اور وہ اس سے کوئی اصلاحی فائدہ اٹھا لیتے ہیں اور دوسرے وہ ہوتے ہیں جو محض اپنا معتقد بنا کر کوئی فائدہ حاصل کرتے ہیں، ان دوسری قسم کے صوفیوں سے مداری اور بازی گر بدرجہا بہتر ہیں جو اپنے تقدس کا کوئی فریب نہیں دیتے بلکہ سچ سچ کہہ دیتے ہیں کہ یہ صرف مشق ہے اور ہاتھوں کی صفائی ہے۔

رہے وہ لوگ جن کو قدرتاً بعض خرقِ عادت حاصل ہوتا ہے۔ وہ عموماً وہ ہوتے ہیں جن کی کوئی ایک حس (SENSE) کمزور ہوتی ہے اور اس کے عوض دوسری حس (SENSE) زیادہ پیدا ہو جاتی ہے۔ آپ نے بعض نابینوں کو دیکھا ہوگا جن کی حس بڑی تیز ہوتی ہے، وہ گھڑی دیکھ کر وقت بتا دیتے ہیں، رنگ پہچان لیتے ہیں، پاؤں کی چاپ سن کر یا مصافحہ کر کے آدمی کو شناخت کر لیتے ہیں۔ اسی طرح کسی کی عقل کمزور ہوتی ہے تو اس میں کشف کا مادہ زیادہ ہو جاتا ہے بزرگی اور خدا رسیدگی سے اس کا بھی کوئی تعلق نہیں۔

ہمارے اونچے صوفیاء ہمیشہ خرقِ عادت کو ہمیشہ ہیچ بلکہ روحانی ترقی کے لئے مضر بتاتے رہتے ہیں۔ مخدوم شرف الدین احمد یحییٰ منیری سہروردی فرماتے ہیں کہ ابر کشف کفش زدن باید، یعنی کشف پر جوتے لگانا چاہیئے۔ ایک جگہ اور فرماتے ہیں، اگر بر آب روی خسی دگر بر ہوا پری مگسی۔ آں کار بکن کہ گویند کسی یعنی اگر تم پانی پر چلو تو زیادہ سے زیادہ تم ایک تنکا ہو جو پانی پر بہتا ہے۔ اور اگر ہوا میں اڑو تو مکھی ہوگئے جو بے تکلف ہوا میں اڑتی ہے۔ وہ کام کرو کہ لوگ تمہیں انسان کہیں۔ نیز فرماتے ہیں کہ کرامت اولیاءاللہ کی قے ہے۔ یعنی قے جیسی ذلیل شے ہے، ولی اسے باہر لانا نہیں چاہتا۔ وہ بے ساختہ باہر نکل آتی ہے تو وہ اسے دیکھ کر گھن کرتا ہے اور اسے انقباض ہوتا ہے۔

صحیح موقف کو ڈھانپے رہتا ہے۔ مداری، اپنے کرتبوں سے تھوڑی دیر کے لئے دماغوں کو حیرت میں ڈال کر چلا جاتا ہے۔ اور معاملہ ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ صاحب کرامت ساری زندگی کے لئے دوسروں کے دل و دماغ کو ماؤف کر دیتا ہے اور کبھی اپنے جال سے دوسروں کو باہر نہیں نکلنے دیتا۔ کوئی تباہ ہو تو وہ اسی تباہ ہونے والے کا تصور بنتا ہے۔ اور ترقی ہو تو اسے اپنی برکت جتاتا ہے۔ وہ دل و دماغ میں حریت نہیں پیدا کرتا۔ اپنی غلامی و محکومی کا ابدی طوق ڈال دیتا ہے

محکوم کو پیروں کی کرامات کا سودا ہے مومن آزاد خود اک زندہ کرامات

(۹) کشف و کرامات دراصل بلند انسانیت سے بہت گری ہوئی چیز ہے۔ اور یہ حیوانیت کی سطح کی باتیں ہیں۔ چیونٹیوں کو بارش سے پہلے کشف ہو جاتا ہے اور وہ اپنے انڈوں کو لے کر کسی محفوظ جگہ چلی جاتی ہیں۔ ایک چوہیا کو مار کر دیکھئے۔ اس کے جوڑے کو قدرتی وائرلیس سے خبر ہو جاتی ہے۔ اور وہ تھوڑی دیر میں وہاں پہنچ جاتا ہے۔ اگر درخت کھوکھلا ہو کر گرنے والا ہو تو مینوں پہلے چیلیں اپنے گھونسلے چھوڑ کر کسی دوسرے درخت پر جا بستی ہیں۔ بلی کی آنکھ پر پٹی باندھئے۔ اسے صندوق میں بند کیجئے اور بیس میل کے پرپیچ فاصلے پر چھوڑ آئیے وہ تیسرے دن میاؤں میاؤں کرتی آپ کے گھر پر آموجود ہوگی۔ اسے از خود راستوں کا کشف ہو جاتا ہے۔ بڑے بڑے سانپ کی آنکھوں میں ایسی قوت ہوتی ہے کہ جب وہ دیکھتا ہے تو شکار خود بخود اس کی طرف کھنچا چلا جاتا ہے۔ ہر جانور کے اندر عجیب و غریب قوتیں اور کشف و عدان ہوتا ہے۔ اگر انسان بڑی ریاضتوں کے بعد یہ تصرفات حاصل کرے تو کیا کمال ہوا؟ وہ یہ کمالات حاصل کر کے زیادہ سے زیادہ حیوانی سطح پر آجاتا ہے۔ مشہور ہے کہ حضرت بدیع الدین مدارؒ کے کپڑے بے دھلے ہمیشہ صاف رہتے تھے اور وہ مہینوں کھانا نہیں کھاتے تھے۔ کسی نے ان کے سامنے ان کی اس کرامت کی تعریف کی تو آپ نے بڑے مزے کی بات فرمائی۔ کہا کہ: "بگلے کے پر ہمیشہ سفید رہتے ہیں اور سانڈ برسوں بے کھائے پیئے رہتا ہے۔ تو یہ کون سی کرامت ہوئی"؟ حضرت مدارؒ کے ان الفاظ میں کتنی بلندی ہے اس کا اندازہ کرنا مشکل نہیں۔ انہوں نے چند لفظوں میں بتا دیا کہ خرق عادت نہ کوئی اہم چیز ہے، نہ انسانی کمال۔ نہ یہ درویشی ہے نہ فقیری۔ کشف و کرامات کی عقیدت انسان کو اتنا ماؤف و مسحور کر دیتی ہے کہ وہ ان چیزوں کو بھی کرامت ہی سمجھنے لگتا ہے جن کا کوئی تعلق خرق عادت سے نہیں ہوتا۔ ایک صدی کے اندر کی بات ہے کہ ایک بار ماہ رمضان میں چاند گہن بھی لگا اور سورج گرہن

(۸) - اعلیٰ انسانیت کے بجائے کرامات دیکھ کر جو لوگ معتقد ہو جاتے ہیں - وہ کمزور دل اور ضعیف الاعتقاد ہوتے ہیں اور ان کی عقل و خودی میں ایک ماؤفیت یا زوال سا پیدا ہو جاتا ہے - وہ رجائی ہوتا ہے - یعنی جہاں اس قسم کا خرق عادت دیکھا وہیں جھک گئے - ان کی سمجھ میں یہ مشکل سے آتا ہے کہ انسانی کمال قانونِ فطرت سے مطابقت پیدا کرنا ہے، نہ کہ اسے توڑنا - نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ہر س ٹھگ یا گمراہ کے پھندے میں آجاتے ہیں جو کوئی کھیل تماشہ دکھا دے اور اسے صاحب کرامت سمجھ کر لوگ معتقد ہو جائیں - یہی وجہ ہے کہ تمام اہل علم و اہل تصوف نے ان کھیل تماشوں کی دو قسمیں ی وضاحت سے بتائی ہیں - یعنی صالح آدمی سے خرق عادت صادر ہو تو اسے کرامت کہتے ہیں غیر صالح سے صادر ہو تو وہ استدراج ہے - لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ فرق ادباً قائم کیا گیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ پہلے وہ خرق عادت کو نہیں دیکھتے بلکہ صالحیت کو دیکھتے ہیں - پس جب معاملہ صالحیت و عدم صالحیت پر ٹھہرا نہ کہ خرق عادت پر تو فیصلے کی بنیاد بھی یہی صالحیت و عدم صالحیت ہوگی نہ لہ خرق عادت - یہ فرق کچھ لفظی سا ہے - اور یہ ایسا ہی ہے جیسے ایک اچھے بزرگ کے لئے ہم نعلین شریفین، دستار مبارک، ریش مقدس کے الفاظ استعمال کرتے ہیں - اور عوام کے لئے جوتی، پگڑی، ڈاڑھی بولتے ہیں - بڑوں کے لئے حرم یا زوجہ، محترمہ یا صاحبزادی اور دوسروں کے لئے بیوی اور چھوکری یا لونڈیا بولتے ہیں - یہ ادب و احترام کا تقاضا ہے اور اسے ضرور باقی رہنا چاہیئے لیکن الفاظ کے بدلنے سے حقیقت نہیں بدل جاتی - ادب و احترام کا یہ فرق دراصل دو طبقوں کے کردار و صالحیت کے فرق کی وجہ سے ہے - اور اس سے زیادہ نیت و مقصد کے سبب سے - عامی کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ کسب و ریاضت سے ہم میں ایک کمال پیدا ہو جائے اور ہم اسے اپنی کمائی کا ذریعہ بنائیں - اور خاصانِ خدا کی سرے سے یہ نیت ہی نہیں ہوتی کہ ہم میں فلاں کمال پیدا ہو جائے - خرق عادت ان میں از خود پیدا ہو جاتا ہے - اور عموماً بلا ارادہ یا مجبوراً (رقے کی طرح) ان سے خرق عادت کا صدور ہو جاتا ہے - اور جب ہو جاتا ہے - تو اس سے وہ کوئی اصلاحی کام لے لیتے ہیں - پھر بھی ان کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ متاثر معتقد خرقِ عادت کے پست چکر سے نکل کر عقل و بصیرت اور اعلیٰ کردار کی مستحکم چوٹی پر پہنچ جائے - اگر کوئی شخص اپنی کرامتیں دکھا کر لوگوں کو صرف اپنا بندہ بناتا ہے اور اس سے دنیا کماتا ہے تو وہ انسانیت کا مجرم ہے اور اس کی کرامتوں میں اور بازی گروں کے استدراج میں کوئی فرق نہیں بلکہ بازی گر اس سے بہتر ہے کہ وہ اپنی صحیح پوزیشن واضح کر دیتا ہے - اور صاحب کرامت اپنے تقدس کے غلاف سے اپنے